تحریر: پروفیسر مولانا محمد علم الدین سالک
ترتیب: پروفیسر احسان الٰہی سالک

تیموری حرم کی علمی و ادبی سرگرمیاں

تیموریوں کی حکومت نے معارف نوازی اور علم دوستی میں جس حسنِ مذاق کا ثبوت دیا وہ تاریخ کے صفحات پر حرفِ دوام بن کر ثبت ہو چکا ہے۔ انھوں نے اگر ایک جانب شہزادوں کو ملکی نظم و سے عہدہ برآ ہونے کے لیے اعلیٰ تعلیم سے آراستہ کیا تو دوسری طرف شہزادیوں اور بیگمات کو بھی اس دولت سے محروم نہیں رکھا۔ اگر ان کے دربار علم و فن کے سرپرست تھے تو ان کے محلات بھی علم و ادب کی بزم آرائیوں سے بے نیاز نہ تھے، جہاں ان کی تاریخ معرکہ آرائیوں کے حیرت انگیز واقعات سے لبریز ہے وہاں ان کی تاریخ علم و فن کے واقعات سے بھی خالی نہیں۔ چنانچہ جہاں اس خاندان کے بادشاہوں، شاہزادوں اور امیروں نے علم و ادب کی روایات کا ایک نہایت بلند معیار قائم کیا ہے، وہاں اس خاندان کی شہزادیوں اور بیگمات نے بھی اپنے خاندانی علمی وقار اور ادبی روایات کو اس حد تک بحال رکھا ہے کہ ان کی ذات پر علم و ادب بجا طور پر ناز کر سکتا ہے۔

شاعری ایک فطری ملکہ ہے جو کسب کی بجائے وہبی زیادہ ہے، تیموری خاندان کے دربار اور محلات کی سب سے بڑی تہذیبی و ثقافتی سرگرمی شعر و ادب تھی۔ اچھا شعر کہنا، عمدہ شعر کی داد دینا اس زمانے میں بہت بڑی اہلیت کا ثبوت اور قابلیت کا معیار تھا۔ حرم تیموریہ میں یہ کہنا تو بہت مشکل ہے کہ بزم مشاعرہ منعقد ہوتی تھی یا نہیں۔ اس کا ثبوت نہ تو تاریخوں سے ملتا ہے اور نہ تذکرے ہی اس قسم کے واقعات پیش کرتے ہیں جن سے یہ بات ثابت ہو سکے کہ حرم کی چار دیواری میں مشاعرے ہوا کرتے تھے۔ البتہ یہ عام دستور تھا کہ کسی عمدہ شعر کے جواب میں بیگمات فی البدیہہ شعر کہتی تھیں۔ یا کسی موزوں مصرعے پر مصرعہ لگا دیتی تھیں یا کسی واقعہ سے متاثر ہو کر شعر کہتی تھیں۔ یہ واقعات تاریخ کی کتابوں، تذکروں اور قدیم بیاضوں میں محفوظ ہیں۔ ان میں سے ہم یہاں بعض کا ذکر کرتے ہیں۔

گلبدن بیگم

اس فہرست میں سب سے پہلا نام گلبدن بیگم کا ہے۔ وہ بابر کی بیٹی، ہمایوں کی بہن اور اکبر اعظم

کی پھوپھی ہے - اس کی ماں دلدار بیگم تھی۔ وہ بیک وقت شاعر، مورخ، ادیبہ اور مدبر خاتون تھیں جس کی تعلیم و تربیت بڑے اعلیٰ پیمانے پر ہوئی تھی۔ وہ ترکی اور فارسی کی انشا پرداز تھی - ہمایوں کے زمانے کی اکثر ثقافتی بزم آرائیاں اس کے دم قدم کی مرہونِ منت تھیں۔ تذکرہ نویسوں نے اس کے اس شعر کی بڑی تعریف کی ہے :

ہر پری روئے کہ او با عاشق خود یار نیست　　　　تو بقین میدان کہ ہیچ از عمر برخوردار نیست

گلرخ بیگم

یہ بھی بابر کی بیٹی تھی جو صالحہ سلطان بیگم کے بطن سے تھی - شعر و ادب کا صحیح ذوق رکھتی تھی۔ صاحبِ صبحِ گلشن (علی حسن خان) اس کی ادبی زندگی پر تبصرہ کرتا ہوا کہتا ہے۔

"بہ گلرخی و شگفتہ روئی و سلیقہ شاعری سرآمدہ زمرۂ نسوان - غنچہ زبانش بہ نسیم اشعار لطیف می شگفت۔"

والہ داغستانی، مخزن الغرائب اور صبح گلشن میں یہ شعر اس کے نام منسوب ہے :

ہیچ گہ آن سرو گل رخسار بے اغیار نیست　　　　راست بودہ است آنکہ در عالم بے خار نیست

سلیمہ سلطان بیگم مخفی

بابر کی نواسی اور گلرخ بیگم کی بیٹی تھی - یہ پہلے بیرم خان خانخاناں کے ساتھ بیاہی گئی - اس کے قتل (۹۶۸ھ) کے بعد اکبر کے نکاح میں آئی - اس کی سیاسی سرگرمیوں کا ذکر علیحدہ مقام پر ہوگا، یہاں اس کی علمی سرگرمیوں کا ذکر کیا جاتا ہے۔

یہ بیگم نیک طینت، نیک دل، خوش مزاج تھی - شیریں بیان، خوش کلام، حاضر جواب اور بذلہ سنج تھی۔ باسلیقہ اور صاحبِ تدبیر تھی۔ مطالعہ کتب کی شوقین تھی - چنانچہ ملا عبدالقادر بدایونی ۹۹۹ کے واقعات میں لکھتا ہے کہ نامہ خرد افروز (سنگھاسن بتیسی کا فارسی ترجمہ) شاہی کتب خانے سے گم ہوگیا، بیگم اس کا مطالعہ کرنا چاہتی تھی، اس نے کتاب حاصل کرنے کے لیے لکھا، کتب خانہ شاہی کے داروغہ نے تلاش کی تو معلوم ہوا کہ یہ کتاب گم ہے - اگر بیگم پسند کریں تو اس کا اصل مسودہ ملا بدایونی سے طلب کریں - ملا عبدالقادر بدایونی ان ایام میں رخصت پر گئے ہوئے ہیں - بیگم نے دوبارہ تقاضا کیا - اکبر نے ان تقاضوں سے مجبور ہو کر بدایونی کو فوری احکام کے ساتھ دربار میں طلب کیا - اس نے کتاب پیش کی - بیگم کو کتابیں جمع کرنے کا شوق تھا اور اپنا ایک کتب خانہ تھا - چنانچہ اس کتب خانے کی بعض

کتابیں آج بھی دنیا کے کتب خانوں میں ملتی ہیں۔ کپورتھلہ سٹیٹ لائبریری میں دول رانی خضر خان (عشقیہ) کا ایک عمدہ اور نفیس نسخہ موجود ہے۔ یہ نسخہ مشہور کاتب بایزید بن نظام داوری کا لکھا ہوا ہے۔ اس پر شاہ جہان کی مہر ہے اور ایک نوٹ بھی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کتاب سلیمہ سلطان بیگم زوجہ اکبر کی لائبریری کی زینت رہ چکی ہے۔ اگر مزید تجسس کیا جائے تو اس کے کتب خانے کی اور کتابوں کا پتا بھی چل سکتا ہے۔ جہانگیر اس کے بارے میں لکھتا ہے، جس کی تائید بختاور خان کے بیان سے بھی ہوتی ہے:

بجمیع خوبی ہا کہ پیرایہ عصمت باشد باطبع نظم آراستگی داشت۔ مخفی تخلص می کرد۔[۱]

خافی خان کہتا ہے:

"وہ حسن سیرت کے ساتھ ساتھ حسن صورت سے بھی مالا مال تھی۔ مختلف علوم و فنون کے علاوہ شاعری میں بھی درک رکھتی تھی۔[۲]

اس کی تائید مخزن الغرائب سے ہوتی ہے۔ وہ کہتا ہے کہ اس نے فیضی کی وفات پر یہ رباعی کہی:

فیضی مخمور این غم کہ دلت تنگی کرد | با پائے امید عمر لنگی کرد
می خواست کہ مرغ روح بیند رخ دوست | زین واسطہ از قفس شب آہنگی کرد

معتمد خان اقبال نامہ جہانگیری میں کہتا ہے:

بجمیع خوبی ہا کہ پیرایہ عصمت را زیبد آراستگی داشت، صاحب عصمت بود۔ گاہی مصرع و احیاناً بیتے می فرمودند۔ مخفی تخلص می کردند و این بیت از ایشان است۔

کاکلت را من ز مستی رشتۂ جان گفتہ ام | مست بیدم زین سبب حرف پریشان گفتہ ام

ماہم انگہ

یہ خاتون ندیم کوکہ کی بیوی، ادہم خان کی ماں اور اکبر کی انگہ تھی۔ اعلیٰ تعلیم کے زیور سے آراستہ تھی، اس نے دہلی میں ایک مدرسہ قائم کیا، سر سید احمد خان نے اس کا نام خیر المنازل بتایا ہے۔ یہ مدرسہ پرانے قلعے کے پاس ہے۔ اس عمارت کا بیشتر حصہ منہدم ہو چکا ہے اور بقیہ خراب ہو رہا ہے۔ اس مدرسے کے ساتھ ایک خوب صورت مسجد بھی تھی جس میں طلبہ کے قیام کے لیے حجرے بھی تھے۔ ایک بنگالی

۱۔ اقبالنامہ، ص ۳۱۳ ۲۔ ص ۱۲۳

فاضل اس کی تعریف ان الفاظ میں کرتا ہے: "مسجد پانی کے گھسے ہوئے نوک دار پتھروں کی بنی ہوئی ہے۔ جہاں نقش ونگار ہیں وہاں سرخ پتھر اور گرا اینٹ لگائے گئے ہیں۔ پھاٹک گو اب مسمار ہو چکا ہے مگر اس کا جو حصہ ہے وہ نہایت خوب صورت ہے۔ مسجد کا ایوان (اندرونی حصہ) رنگین پلاسٹر اور چمکدار اینٹوں سے مزین ہے، عمارت کا رخ اور پھاٹک رنگین نمغوں اور ترشے ہوئے پتھر کے پھولوں سے منقش ہے، ان میں نیلے، زرد، سرخ، ارغوانی سپید، سبز اور سیاہ پتھر استعمال کیے گئے ہیں۔ اس مسجد میں فقط ایک گنبد ہے جس کی گردن نیچی ہے، ایک کنگرہ بہت ہی عجیب وغریب ہے، جو مسجد قلعۂ کہنہ سے مشابہ ہے۔ مسجد کی دیواریں عمودی ہیں، لیکن مینارے ڈھلوان ہیں۔ موتی مسجد کی طرح چھجے سامنے کھلے ہوئے ہیں۔ اس مسجد میں حجرے ہیں جو دیگر مساجد میں نہیں دیکھے گئے" [۳]

نورجہان

نورجہان کا حسنِ مذاق زبان زدِ خلائق ہے۔ وہ ایک عالم باپ کی بیٹی، ایک اعلیٰ انشا پرداز اور بلند پایہ ادیب اور خوش ذوق شاعر اور نقاد کی بیوی تھی۔ علم وادب اور شعروشاعری اسے باپ سے میراث میں ملے اور شوہر کی رفاقت سے اس کی لیاقت کے جوہر چمک اٹھے۔ تاریخ اور تذکرے اس کی علمی استعداد اور سخن سنجی کی تعریف میں رطب اللسان ہیں۔ شیر خان کہتا ہے: "در بذلہ سنجی و شعرگوئی و شعرفہمی و حاضر جوابی از نسائے زمان ممتاز بود" [۴]

سرخوش لکھتا ہے: "معذرہ معلی نورجہان بیگم کہ او نیز طبع سوزدن و فکر رسائی بلند و رسا داشت" [۵]

ید بیضا میں آزاد بلگرامی فرماتے ہیں: "در وادی شعر بسیار خوش سلیقہ بود"

آتش کدہ کا مصنف کہتا ہے: "اس کی حاضر جوابی اور اس کے لطائف آج بھی زبان زد خلائق ہیں۔ اہلِ علم انھیں سناتے ہیں اور مزے لیتے ہیں، (۱) ایک روز جہانگیر نے لباس تبدیل کیا۔ اس کی قبا پر لعلِ بے بہا کا تکمہ تھا۔ نورجہان کی نظر پڑی تو فی البدیہہ کہا:

ترا نہ تکمہ لعل است بر قبائے حریر — شدہ است قطرۂ خون منت گریبان گیر

(۲) ایک مرتبہ جہانگیر نے عید کا چاند دیکھا اور یہ مصرع موزوں کیا:

۳ے این۔ این لا۔ ص ۱۶۶ ۴ے ص ۱۲۸ ۵ے ص ۲۳

ہلال عید بر اوج فلک ہویدا شد

نور جہاں نے یہ مصرع پڑھ کر شعر مکمل کیا:

کلید میکدہ گم گشتہ بود پیدا شد

(۳) ایک مرتبہ جہاں گیر کی نظر ایک بوڑھے پر پڑی، بڑھاپے نے جس کی کمر دوہری کر دی تھی۔ جہاں گیر نے یہ مصرعہ موزوں کیا:

چرا خم پشت می گردند پیران جہان دیدہ

نور جہاں نے فی البدیہہ دوسرا مصرعہ پڑھا:

بزیر خاک می جویند ایام جوانی را

(۴) ایک دفعہ ایسا ہوا کہ جہاں گیر کئی روز تک نور جہاں سے نہ مل سکا۔ جب وہ ملا تو خوشی کے مارے نور جہاں کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے۔ جہاں گیر اس کیفیت سے متاثر ہو کر بولا:

گوہر ز اشک چشم تو غلطیدہ می رود

نور جہاں نے اسی وقت دوسرا مصرعہ کہا:

آبی کہ بے تو خوردہ ام از دیدہ می رود

محرم ۱۰۲۸ھ میں دم دار ستارہ آسمان پر نظر آیا۔ نور جہاں نے یہ شعر موزوں کیا:

ستارہ نیست بدین طول سر بر آوردہ فلک بشاطری شہ کمر بر آوردہ!

نور جہاں کی ایک حقیقی بہن منیجہ خانم تھی، اس کا خاوند نواب قاسم تھا، وہ بھی شاعر تھا، طبیعت میں موزونی تھی، رواں شعر کہتا تھا۔ ایک دن بادشاہ نے آب خاصہ طلب کیا، آب دار نے ایک نہایت نازک پیالے میں پانی ڈالا اور بادشاہ کی طرف لے کر بڑھا، اس کا ہاتھ رعبِ شاہی سے لرز گیا، پیالہ ایک جانب سے ٹوٹ گیا اور پانی رکابی میں گر پڑا، نواب قاسم خان حضورِ شاہ میں کھڑا تھا، بادشاہ نے اس کی جانب دیکھا اور یہ مصرعہ پڑھا:

کاسہ نازک بود و آب آرام نتوانست کرد!

نواب نے فی الفور عرض کیا: دیدہ عالم را چشمش ضبط اشک خود نہ کرد!

اور پورا شعر یوں پڑھا:

[library stamp]

دیده عالم را و پیشش ضبط اشک خود نه کرد کاسه نازک بود آب آرام نتوانست کرد

مگر نورجہاں بیگم اس کی شاعری کی قائل نہ تھی، چنانچہ اس کے ساتھ اکثر مشاعرہ و مناظرہ ہوتا رہتا تھا۔

ایک مرتبہ پایۂ تخت میں نوروز کے موقعہ پہ ایک طرحی مشاعرہ ہوا، تمام شعرا نے غزلیں کہیں، نواب قاسم نے بھی غزل کہی۔ اس نے غزل کے یہ تین شعر نورجہاں کے پاس بھیجے:

گر شوی سایہ نشین روزی بتخت باغبان سایہ خورشید اندازد درخست باغبان!

فاختہ چون دید بی گل باغ را نالید و گفت ازچہ رو با گل نرفت این جان سخت باغبان!

جشن نوروز است و ابر نو بہار از فیض طبع طرح کرد از سبزہ و گل تاج و تخت باغبان!

نورجہان از آن ہنگام روز طبعش در سخنوری قبول فرمود [۵۶]

حکیم طالب جب ہندوستان آیا تو وہ جوان تھا اور جہاں گیر کے آخری ایام سلطنت تھے۔ شاہی تقرب حاصل کرنے کی کوشش کی، مگر کامیاب نہ ہوا، اس کی وجہ یہ تھی کہ نورجہان اس کے اشعار پہ اکثر اعتراض کیا کرتی تھی۔ ایک دن اس نے خوب سوچ کر یہ شعر کہا:

ز شرم آب شدم آب را شکستی نیست بحیرتم کہ مرا روزگار چون بشکست!

اس نے جب ہر طرح تسلی کر لی کہ اب اس میں اعتراض کی گنجائش نہیں ہے تو بیگم کے پاس ارسال کیا۔ بیگم نے شعر پڑھا اور قلم برداشتہ اس کے نیچے لکھ دیا۔ "..یخ بستہ شکستہ است" [۵۷]

ایک مرتبہ جہاں گیر کو ملا علی مہرکن کا یہ شعر بہت پسند آیا:

اے محتسب ز گریہ پیر مغان بترس یکم خم شکستن تو بصد خون برابر است

اس پر جہاں گیر نے یہ شعر کہا:

از من مہتاب رخ کہ نیم بے تو یک نفس یک زندہ کردن تو بصد خون برابر است

نورجہاں نے جب یہ شعر سنا تو فی البدیہہ بادشاہ کو مخاطب ہو کر کہا:

چون تابم از تو رخ کہ تو ئی قبلہ مرا د رخ تافتم ز قبلہ بصد خون برابر است

نورجہاں کی ہم نشین مہری ہروی تھی۔ صاحب مراۃ الخیال اس کے حسن و جمال کی تعریف کرتا ہوا لکھتا ہے:

---

۵۶ مراۃ الخیال، ص ۲-۸۳

۵۷ ایضاً، ص ۹۰

Accession numbers .... Date ....

"خورشید طلعتی بود کہ کرشمہ جمالش عروسان بہشت را جلوہ گری آموختی، و از تاب عذارش آفتاب جہان تاب در آتش غیرت سوختی"۔[۵۸]

اس حسن و رعنائی کے علاوہ وہ خوش فکر شاعرہ تھی، نازک خیال کا ایک خاص قرینہ تھا۔ اس کی یہ غزل ملاحظہ ہو:

حل ہر نکتہ زہر پیرو فقیہ مشکل بود آزمودیم بیک قطرۂ مے حاصل بود
گفتم از مدرسہ پرسم سبب حرمت می در ہر کس کہ زدم بی خود و لایعقل بود
خواستم سوز دل خویش بگویم با شمع داشت او خود بزبان آنچہ مرا در دل بود
در چمن صبحدم از گریہ و زاری من لالہ سوختہ خون در دل و پا در گل بود
آنچہ از بابل و ہاروت روایت کردند سحر چشم تو بدیدم ہمہ را شامل بود
دولتی بود تماشائی رفت مہری را حیف صد حیف کہ این دولت مستعجل بود[۵۹]

ایک دن وہ نورجہاں بیگم کے ساتھ خضر جہاں نما کی چھت پر محو نظارہ تھی۔ یکایک مہری کا خاوند خواجہ حکیم اسے آتا ہوا دکھائی دیا، بیگم نے مہری کو حکم دیا کہ خواجہ کو طلب کرے۔ جب خواجہ حکیم کو بیگم کے اس حکم کا علم ہوا تو وہ جلدی جلدی چلنے لگا۔ اضطراب کی وجہ سے وہ قدم کہیں رکھتا اور پڑتا کہیں تھا، اس کی ان حرکات سے بیگم بہت محظوظ ہوئی، اس نے مہری سے کہا کہ حسب حال کچھ کہیے۔ اس نے یہ دو شعر کہے:

مرا با تو سر یاری نماندہ سر مہر و وفاداری نماندہ!
ترا از ضعف و پیری قوت و زور چنانکہ پای برداری نماندہ!

بیگم یہ سن کر ہنس پڑی اور مہری کو نقد و جنس عطا کر کے مالا مال کیا۔

نورجہاں کے خدمت گاروں میں مٹی کلال بھی تھا، جاؤش گری و خدمت گری کے علاوہ چوبداری اور سواری کا اہتمام بھی اس قوم کے سپرد تھا۔ جہانگیر کو اس قوم سے کچھ طبعی نفرت تھی، مٹی نے نورجہاں کی خدمت بڑی محنت اور جفاکشی سے کی۔ ایک دن موقع پا کر اس نے عرض کیا کہ "اگر بتقریبی ذکر سلیقہ موزونی این خانہ زاد در پیش گاہ اعلیٰ حضرت جہاں داری درمیان آید، باعث ترقی احوال و افزونی عزت

---

۵۸ ص ۳۳۴

۵۹ ص ۳۳۴ - ۳۳۵

اقبال من خواہد بود[۱۰]
نور جہاں نے موقع پاکر جہانگیر سے کہا :
متی کلال ہم شعر را خوب می گوید امیدوار است کہ بسمع مبارک رساند"
جہانگیر بیگم کی اس خواہش سے چونکا اور کہا "اطالِ کار شعرا باین جا رسید کہ کلال شعر بگوید" بیگم نے عرض کیا کہ " خانہ زاد است در حضرت تربیت یافتہ" بیگم کے پاسِ خاطر سے بادشاہ نے حاضری کی اجازت دی اور اسے شعر پڑھنے کا اشارہ کیا - اس نے بے تامل یہ شعر پڑھا :

متی بگریہ سری دارد ای نصیحت گر کنارہ گیر کہ امروز روز طوفانست

بادشاہ یہ سن کر مسکرایا کہ اس قوم کو شعر سے کیا مناسبت ہو سکتی ہے - یہاں بھی پیشے کی رعایت اس نے ہاتھ سے نہیں چھوڑی، اس کے لیے یہی مناسب ہے وہ اپنا کام کرے، متی پھر کوشاں رہا - بیگم کی مہربانی سے پھر باریابی پائی تو یہ شعر سنایا :

من میبرِدم و برق زنان شعلہ آہم ای ہم نفسان دور شوید از سر راہم

بادشاہ ہنس پڑا اور فرمایا کہ " دیگر پیشہ خود را جلوہ دادہ رعایت نمودہ"[۱۱]

نور جہاں کے کچھ اشعار بعض تذکروں میں نقل کیے گئے ہیں -

بمبئی میں ملا فیروز دستور کی لائبریری میں ایک مثنوی کا قلمی نسخہ موجود ہے - اس میں کسی کا سراپا مذکور ہے، فہرست سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ نور جہاں کی کسی متوسل شاعرہ کی طبع زاد ہے - اگر یہ درست ہے تو اس کی مصنفہ مہری کے علاوہ کوئی اور نہیں ہو سکتی اور یہ سراپا بھی نور جہاں بیگم کا ہے -

نور جہاں کی ادب پروری کے سلسلے میں مجھے ایک واقعہ اور عرض کرنا ہے - ایک دفعہ مجھے سفرِ کشمیر کے دوران سری نگر کے ایک صاحبِ ذوق شاعر خواجہ حیرت پاندانی کا کتب خانہ دیکھنے کا اتفاق ہوا - اس کتب خانے کی سب سے بڑی خصوصیت شعر و ادب کا وہ ذخیرہ تھا جس پر خواجہ حیرت پاندانی بجا طور پر ناز کر سکتے تھے - دواوین کے علاوہ ان کے پاس بیاض بکثرت تھے، جن میں شعرا کا کلام ایک خاص سلیقے سے درج تھا - ایک بیاض کے مطالعے سے معلوم ہوا کہ جب شاہزادہ خرم کے اہتمام سے ڈل

---

۱۰ سرخوش - ص ۱۰۹ ۱۱ ایضاً

کے کنارے باغ فرح بخش تیار ہوا تو سنگ موسیٰ کی بارہ دری میں نور جہاں نے بادشاہ کی دعوت کا اہتمام کیا۔ دعوت کے بعد راگ و رنگ کی محفل برپا ہوئی، اس میں نور جہاں کی جانب سے بعض نغمے گائے گئے جو باغ کی تعریف اور بادشاہ کی مدح میں تھے ——— ٹیپ کا شعر یہ تھا:

اگر فردوس بر روئے زمین است ہمین است و ہمین است و ہمین است

ان نظموں میں لطف یہ ہے کہ اگر سب کو یک جا کر کے لکھا جائے تو ایک نہایت اعلیٰ ترجیع بند بن جاتا ہے۔

کتابیات

۱۔ اکبر نامہ
۲۔ مرآۃ العالم
۳۔ مرآۃ الخیال
۴۔ سرخوش
۵۔ دختران ہند (حصہ اول) پروفیسر مولانا محمد علم الدین سالک۔ لاہور
۶۔ بادشاہ نامہ
۷۔ عالمگیر نامہ
۸۔ شعر العجم۔ شبلی
۹۔ تاریخ ہمایوں۔ بایزید
۱۰۔ تذکرۃ الواقعات جوہر۔ جوہر آفتابچی
۱۱۔ تزک جہانگیری۔ شہنشاہ جہانگیر